© rasailojaraid.com

ڈاکٹر محمد ریاض

اقبال کی شاعری میں مکالماتی حُسن

دوسری اور آخری قسط

اسرار و رموز

اپنی پہلی فارسی مثنوی (اسرارِ خودی) میں اقبال نے چند حکایات لکھی ہیں، بھیڑوں اور شیر کی حکایت، ہیرے اور کوئلے کے مکالمے کی حکایت، دریائے گنگا اور کوہِ ہمالیہ (یا برہمن و شیخ کا مکالمہ دوسری مثنوی (رموزِ بے خودی) میں بھی دو ایسی حکایتیں ملتی ہیں، جن کے مکالمے قابلِ توجہ ہیں۔ نوکِ تیر اور شمشیر کی گفتگو، سلطان مراد اور معمار کی حکایت۔ یہ اور دیگر حکایتیں مثنوی رومی کی حکایات کے اسلوب پر ہیں اور شاعر نے ان سے دلپذیر نتائج نکالے ہیں، مگر ان ابتدائی فارسی مثنویوں میں (بالترتیب شائع شدہ ۱۹۱۵ء اور ۱۹۱۸ء) میں بھی مکالموں کا زور غور طلب ہے۔ مثلاً آخری عنوان والی حکایت (سلطان مراد اور معمار) پر ایک مختصر ڈراما تیار کیا جا سکتا ہے۔

حکایت یہ ہے کہ سلطان مراد کے حکم سے ایک معمار نے مسجد بنائی مگر سلطان کو مسجد کی عمارت بالکل پسند نہ آئی اور غصے میں اس نے معمار کا ہاتھ کٹوا ڈالا۔ معمار نے قاضیِ شرع سے شکایت کی جس نے سلطان مراد کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالنے کا فیصلہ دیا۔ سلطان نے شرعی حکم کی تعمیل کرنا چاہی مگر معمار نے سلطان کی معذرت اور شرمندگی کے پیشِ نظر اُسے معاف کر دیا اور قصاص کی حد جاری نہ ہونے دی۔ مکالمے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

معمار خطاب بہ قاضی: گفت اے پیغام حق گفتار تو — حفظِ آئینِ محمدؐ کار تو
سفتہ گوشِ سطوتِ شاہان نیم — قطع کن از روئے قرآن دعویم

سلطان مراد: گفت شہ، از کردہ خجلت بردہ ام — اعتراف از جرم خود آوردہ ام

قاضی: گفت قاضی، فی القصاص آمد حیوٰۃ — زندگی گیرد بایں قانون ثبات
عبد مسلم کمتر از احرار نیست — خونِ شہ رنگین تر از معمار نیست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معمار: گفت: از بہرِ خدا بخشید مش — از برائے مصطفیٰ ام بخشید مش

چوتھے شعر میں آیۂ مبارکہ (۱۷۹ : ۲) کی طرف تلمیح ہے کہ قصاص، بقائے حیات کا ضامن ہے۔

پیامِ مشرق

اس کتاب (اشاعت اول ۱۹۲۳ء) کے افکار اور "نقشِ فرنگ" والے حصے میں کئی مکالمے ہیں اور ان کی دلآویزی مسلم ہے۔ بوئے گل، افکارِ انجم، محاورہ علم و عشق، محاورہ خدا اور انسان، شاہین و ماہی، دو غزال (ہرن)، زندگی، حور و شاعر، زندگی و عمل، الملک للہ، طیارہ، صحبتِ رفتگان، جلال و ہیگل، محاورہ اگسٹس کومت و مردِ مزدور، جلال و گوئٹے، لینن و قیصر ولیم، آزادیِ بحر۔

ان ۱۷ عنوانات میں سے تین کو خود اقبال نے محاورہ (مکالمہ) لکھا ہے، اور سب کے سب شاعر کی قادر کلامی اور غیر معمولی فصاحت و بلاغت کے مظہر ہیں۔ مگر مقالے کی طوالت کم کرنے کی خاطر ہم چند مختصر ترین نمونوں پر اکتفا کریں گے۔ (اشارہ شدہ عنوانات کے علاوہ نظم "میلادِ آدم" میں بھی عشق، حسن اور فطرت وغیرہ محوِ گفتگو دیکھے جا سکتے ہیں)۔

نظم "زندگی" میں شاعر نے کسی بلند نگاہ دانش مند سے اپنی گفتگو قلم بند کی ہے۔ ایک ایک مصرعے کی شرح کافی لمبی ہو سکتی ہے۔ اپنی گفتگو کے پردے میں شاعر نے زندگی کے بارے میں منفی خیالات نقل کیے اور "حدیث دیگراں" میں ان کی تردید کی ہے۔ یہی پانچ اشعار اقبال کے فلسفۂ حیات کے ترجمان بن سکتے ہیں۔ دیکھیں، ان کی نظر میں زندگی سخت کوشی، حرارت و جستجو، آویزشِ خیر و شر، سیرِ دوام اور ارتقائے پیہم کا کس قدر حسین و جمیل امتزاج ہے:

پرسیدم از بلند نگاہے، "حیات چیست؟" — گفتا "مئے کہ تلخ ترا و نکوتر است"

گفتم کہ "کرمک است و زگِل سر بروں زند" — گفتا کہ "شعلہ زاد مثالِ سمندر است"

گفتم کہ "شر بفطرتِ خامش نہادہ اند" — گفتا کہ "خیر او نشناسی، ہمیں شر است"

گفتم کہ "شوق سیر نبردش بہ منزلے" — گفتا کہ "منزلش بہمیں شوق مضمر است"

گفتم کہ "خاکی است و بخاکش ہمی دہند" — گفتا "چو دانہ خاک شگافد، گلِ تر است"

حضرت طارق بن زیادؒ کا جبرالٹر میں ورود اور جنگی جہازوں کو جلانے کا واقعہ معروف ہے مگر اقبال نے تاریخی واقعات کے طومار کو مکالمہ نما تین شعروں میں سمو دیا ہے۔ "الملک للہ" عنوان کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ قطعہ یوں ہے :

طارق چو بر کنارۂ اندلس سفینہ سوخت — گفتند کارِ تو بہ نگاہِ خرد خطاست
دوریم از سوادِ وطن، باز چوں رسیم؟ — ترکِ سبب ز روئے شریعت کجا رواست؟
خندید و دستِ خویش بہ شمشیر برد و گفت — 'ہر ملک، ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست'

ایسا ہی ایک شاہ کار مکالمہ 'زندگی و عمل' ہے جس میں 'ساحل' اور 'موج' کو مجسم صورت میں مصروفِ سخن دکھایا گیا ہے۔ اقبال کا یہ دو شعری قطعہ ایرانیوں کو بھی بہت پسند ہے۔

ساحلِ افتادہ گفت 'گرچہ بسے زیستم — ہیچ نہ معلوم شد آہ کہ من چیستم؟
موجِ زخود رفتۂ تیز خرامید و گفت — 'ہستم اگر می روم، گر نروم، نیستم

اشعارِ غزل میں مکالمے

اقبال نے کئی غزلوں کے مختلف اشعار میں موجز مکالمے لکھے ہیں۔ ایسے اشعار میں 'گفتند' کی فاعل غیبی قوتیں (یہ کارکنان قضا و قدر) ہیں۔ ذیل کے پہلے دو شعر 'پیامِ مشرق' میں سے ہیں اور تیسرا 'زبورِ عجم' (اشاعت اول ۱۹۲۷ء) سے :

گفتند 'لب ببند و ز اسرارِ ما مگو' — گفتم کہ 'خیر' نعرۂ تکبیرم آرزوست'
گفتند 'ہر چہ در دلت آید ز ما بخواہ' — گفتم کہ 'بے حجابیِ تقدیرم آرزوست'
گفتند 'جہانِ ما آیا بتو میسازد؟' — گفتم کہ 'نمیسازد' گفتند کہ 'برہم زن'

کتابِ مکالمات، جاوید نامہ

جاوید نامہ (طبع اول ۱۹۳۲ء) بالاتفاق علامہ اقبال کا شاہ کار ہے۔ کتاب فارسی مثنوی میں ہے مگر اس میں غزلیات اور ترجیع و ترکیبِ بند بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہ ایک رزمیہ اور ادبی ڈراما ہے جس میں مشاہیر کی ارواح اور بعض مجسم کردار (اصلی کردار ۴۱ ہیں)۔ چھ سات کرات (افلاک) پر مختلف دینی، ادبی، سیاسی اور اجتماعی مسائل کے بارے میں گفتگو کرتے نظر آتے ہیں۔ جاوید نامہ کے کئی کردار فرضی نوعیت کے ہیں۔ کئی اشخاص اور اماکن کے نام بھی ضمنی ہیں۔ راقم الحروف نے سالِ اقبال کی مناسبت سے اس کتاب پر چند خاص مقالے لکھے ہیں۔ مثلاً سہ ماہی اقبال (لاہور) دو ماہی 'اسلامی تعلیم' اور ماہنامہ 'فنون' وغیرہ کے اقبال نمبر دیں ہیں۔ یہاں کتاب کی ترتیب کے مطابق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چند توضیحی گزارشات پیش کی جائیں گی اور بعض مکالماتی نمونے، جن کا کچھ استحسان بھی ہوگا۔

مناجات :۔ یہ مناجات ایک خود کلامی ہے اور دردِ مہجوری کا اظہار :

گرچہ از خاکم نروید جز کلام   حرفِ مہجوری نمی گردد تمام

تمہید :۔ کتاب کی تمہید دراصل تخلیقِ آدم کی تمہید ہے۔ آسمان کی طعنہ زنی اور زمین کے اظہارِ فخر کے پردے میں شاعر نے انسانی شرف و فضیلت کو اجاگر کیا ہے۔

کتاب کا اصلی حصہ شاعر کی روحِ رومی کے ساتھ گفتگو کے توسط سے شروع ہوتا ہے شاعر، رومی سے "موجود" اور "محمود" کے معانی پوچھتا ہے اور اس سے حقیقتِ معراج زیرِ بحث آتی ہے۔ اسی بحث کے نتیجے میں شاعر کی اپنی معراج شروع ہوجاتی ہے۔

یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعۂ معراج، دنیا کا عجیب ترین واقعہ تھا اور مسلمانوں نے مختلف اسالیبِ بیان کے ذریعے اس واقعہ کی ترجمانی کی ہے۔ غیر مسلم بھی واقعۂ معراج کے اثرات سے آزاد نہ رہ سکے۔ چنانچہ اٹلی کے مشہور مصنف ڈلنٹے الیگیری (م ۱۳۲۱ء) کی ڈیوائن کمیڈی بھی روایاتِ معراج سے اثر پذیر ہے۔ اس ضمن میں اسپین کے آسن نامی ایک پروفیسر کی تحقیقات لائقِ مطالعہ ہیں۔ ہسپانوی زبان میں کتاب کا متن ۱۹۱۹ء سے میڈرڈ سے شائع ہوا، اور اس کا انگریزی ترجمہ (عنوان "اسلام اینڈ ڈیوائن کمیڈی") ۱۹۲۶ء میں لندن میں چھپا۔ جاوید نامہ کو بھی روایاتِ معراج کے تحت لکھی جانے والی کتب کے زمرے میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ فارسی زبان میں (نثر اور نظم دونوں میں) یہ ایک منفرد اور بے نظیر کتاب ہے۔

فلکِ قمر :۔ شاعر اور اس کے افلاکی راہنما (رومی) کی پہلی منزل "فلک قمر" (=چاند کا کرہ) ہے۔ یہاں وہ وشوامتر (شیوجی مہاراج) سے ملتے ہیں جسے رام چندرجی کا استاد اور دوست بتایا جاتا ہے۔ چار انبیا کے "طواسین" (بنیادی تعلیمات کے ارواح) بھی نظر آتے ہیں۔ یہاں اہرمن، زن رقاصہ، اسقروطی، افرنگین، افلاطوس اور ٹالسٹائے وغیرہ کے کردار سامنے آتے ہیں، مگر مکالمات کا شاہکار وہ حصہ ہے جو جہان دوست (وشوامتر) سے مربوط ہے۔ ذیل کے پانچ اشعار کے ہر مصرعے میں سوال و جواب ہیں۔

یہ مکالمے حسنِ خطاب اور اعجازِ بیان کا عالی نمونہ کہے جاسکتے ہیں (خصوصاً صنعتِ سوال و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جواب کے نقطہ نظر سے)۔

گفت "برگِ عقل؟" گفتم "ترکِ فکر" گفت "مرگِ قلب؟" گفتم "ترکِ ذکر"

گفت "تن؟" گفتم کہ "زاد از گرد رہ" گفت "جاں؟" گفتم کہ "رمزِ لا الٰہ"

گفت "آدم؟" گفتم "از اسرارِ اوست" گفت "عالم؟" گفتم "او خود روبروست"

گفت "این علم و ہنر؟" گفتم کہ "پوست" گفت "حجت چیست؟" گفتم "روئے دوست"

گفت "دینِ عامیان؟" گفتم "شنید" گفت "دینِ عارفاں؟" گفتم کہ "دید"

فلکِ عطارد : یہاں بیشتر گفتگو سید جمال الدین افغانی (م ۱۸۹۷ء) اور شاہ زادہ سعید حلیم پاشا (م ۱۹۲۱ء) کے ساتھ ہے۔ رومی یہاں اقبال کو "زندہ رود" (= دریائے زندہ) کے الفاظ کی نام سے متعارف کراتے ہیں، اور کتاب کے اختتام تک شاعر اسی نام سے موسوم ہے۔

گفت رومی "ذرہ گردوں نورد در دلِ او یک جہانِ سوز و درد

چشم جز بر خویشتن نکشادہ دل بکس ناداده، آزاده

تند سیر اندر فراخائے وجود من ز شوخی گویم او را "زندہ رود"

فلکِ زہرہ :- اس فلک پر قدیم اقوام کے معبودانِ باطل (بت) نیز چند ظالم اور مظلوم کردار مجسم کیے گئے ہیں۔ حضرت موسیٰ کے معاصر فرعون کو "فرعونِ کبیر" کہا گیا ہے اور محمد احمد سوڈانی متمہدی (م ۱۸۸۵ء) کی آرام گاہ کو خراب کرنے والے لارڈ کچنر (م ۱۹۱۶ء) کو فرعونِ صغیر۔ فرعون کہتا ہے کہ آثارِ قدیمہ کے دلدادوں نے میری قبر کھودی اور میری ممیائی ہوئی نعش کو قاہرہ کے عجائب خانے میں آرکھا، مگر کچنر نے مہدی سوڈانی کی قبر کیوں کھدوائی تھی؟

فرعون : قبر ما را علم و حکمت بر کشود لیکن اندر تربتِ مہدی چہ بود؟

روحِ مہدی: گفت "اے کشنر اگر داری نظر انتقامِ خاکِ درویشے نگر

آسماں خاکِ ترا گورے نداد مرقدے جز در یم شورے نداد"

ان سوال و جواب میں تلمیحات کی ایک دنیا پنہاں ہے۔ خلاصہ مطلب ہم لکھے دیتے ہیں۔ محمد احمد سوڈانی (مہدی) نے سوڈان کا شہر خرطوم انگریزوں کے قبضے سے آزاد کروایا تھا مگر ان کی وفات کے تیرہ برس بعد جنرل کچنر نے اس شہر کو دوبارہ تسخیر کر لیا۔ اس سیاہ کار نے جوش انتقام میں اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درویشِ سوڈانی کی قبر اکھڑوائی اور مرحوم کی نعش کو دریا برد کروایا۔ جنرل کچنر بعد میں انریری ڈاکٹر لارڈ اور فیلڈ مارشل بنا۔ اس نے برِصغیر اور افریقہ کے انگریزی مستعمرات میں مدتوں فوجوں کی کمانڈ سنبھالے رکھی اور پہلی جنگ عظیم میں بھی شریک ہوا۔ مگر ۱۹۱۶ء میں ایک جرمن آبدوز نے اس بحری جہاز کو تباہ اور غرقِ دریا کر دیا جس میں وہ روس جا رہا تھا۔ کچنر اور اس کے ہمراہانِ سفر کی نعشیں بھی نہ مل سکیں۔ اقبال اسے درویشِ سوڈانی کی نعش کی بے حرمتی کا شاخسانہ بتاتے ہیں۔ اس درویشِ سوڈانی کی روح عربوں سے بھی مخاطب ہے کہ:

گفت "اے روحِ عرب بیدار شو | چوں نیاگاں، خالقِ اعصار شو
زندگانی تا کجا بے ذوقِ سَیر | تا کجا تقدیرِ تو در دستِ غیر
بر مقامِ خود نیائی تا یکے | استخوانم در لحد نالد چو نَے"

فلکِ مریخ:۔ شاعر یہاں ایک مریخی انجم شناس سے دنیا و دین کے اہم تر مسائل سے متعلق گفتگو کرتا نظر آتا ہے۔ انجم شناسِ مریخی کی سوال و جواب آمیز گفتگو کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔ سبحان اللہ! فارسی، شاعر کی اکتسابی اور غیر مادری زبان ہے مگر مکالماتی فصاحت و بلاغت اس کے ہر مصرعے سے ہویدا ہے۔ اس اسلوبِ تخاطب اور حسنِ ادا پر کون فدا نہ ہوگا؟:۔

وائے آں دینے کہ خواب آرد ترا | باز در خوابِ گراں دارد ترا
سحر و افسوں است یا دین است ایں؟ | حبِّ افیون است یا دین است ایں؟
می شناسی طبعِ درّاک از کجا ست؟ | حورِ اندر پیکرِ خاک از کجا ست؟
قوّتِ فکرِ حکیماں از کجا ست؟ | طاقتِ ذکرِ کلیماں از کجا ست؟
ایں دلِ ایں وارداتِ او ز کیست؟ | ایں فنون و معجزاتِ او ز کیست؟
گرمیٔ گفتار داری؟ از تو نیست | شعلۂ کردار داری، از تو نیست
ایں ہمہ فیض از بہارِ فطرت است | فطرت از پروردگارِ فطرت است
زندگانی چیست؟ کانِ گوہر است | تو امینی صاحبِ او دیگر است
ارضِ حق را ارضِ خود دانی، بگو | چیست شرحِ آیۂ "لا تفسدوا"؟
زیرِ گردوں فقر و مسکینی چرا ست؟ | آنچہ از مولاست، می گوئی زماست۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نویں شعر میں ایک آیۂ قرآنیہ کی طرف تلمیح ہے (۵۶ : ۷)۔

فلکِ مشتری:۔ اس فلک کے اہم تر کردار ابلیسِ لعین، حسین بن منصور حلاج، بابیہ شاعرہ قرۃ العین طاہرہ اور میرزا اسد اللہ خان غالبؔ ہیں۔ حسنِ مکالمہ ہم غالبؔ سے مربوط حصے سے نقل کریں گے۔ انیسویں صدی عیسوی کی پہلی چوتھائی کے آخری سالوں میں برصغیر کے اکابر علما کی توجہ ایک تازہ مسئلے کی طرف منعطف ہوئی تھی۔ اسے 'امتناعِ خلقِ نظیرِ رحمۃ للعالمینؐ' کا عنوان دیا گیا تھا مطلب یہ کہ آیا خدائے تعالیٰ کسی دوسرے رحمۃ للعالمینؐ کی تخلیق پر قادر ہے (اعوذ باللہ بنقلہ)؟۔ اس مناظرے کے اہم رکن مولانا سید اسماعیل (شہید) اور مولانا فضلِ حق خیر آبادی تھے۔ مقدم الذکر (خاص شرائط اور آداب ذکر کر کے) سوال کا جواب اثبات میں دیتے تھے اور مؤخر الذکر نفی میں۔ میرزا غالبؔ نے بھی اس قضیے کا راہِ وسط بتانے کی خاطر ۱۲۸ اشعار کی حامل ایک مثنوی لکھی۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پیدا کرنے پر قادر ہے، مگر اس کے کام حکمت سے مملو ہوتے ہیں۔ رحمۃ للعالمینؐ، تخلیقِ انسانی کا تکامل اور نقطۂ آخر ہے، لہٰذا اس کی تکرارِ تخلیق خلافِ مصلحت ہے۔ غالبؔ کے تضمین شدہ شعر اور اس مکالمے کو اس سیاق میں دیکھیں۔ آخر میں ضمنی توضیح حلاج کی زبانی ہے۔ اقبال نے یہاں حلاج کی 'کتاب الطواسین' کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہ اقبال کی محبوب ترین کتب میں سے ایک تھی اور اُسے ۱۹۱۳ء میں لوئی مسینون نے پیرس سے شائع کیا تھا۔

زندہ رود: صد جہاں پیدا درین نیلی فضاست
ہر جہاں را اولیا و انبیاست؟

غالب: نیک بنگر اندریں بود و نبود
پے بہ پے آید جہانہا در وجود

"ہر کجا ہنگامۂ عالم بود
رحمۃ للعالمینے ہم بود"

زندہ رود: فاش تر گو زانکہ فہمم نارساست

غالب: این سخن را فاش تر گفتن خطاست

زندہ رود: گفتگوئے اہلِ دل بے حاصل است؟

غالب: نکتہ را بر لب رسیدن مشکل است

زندہ رود: تو سراپا آتش از سوزِ طلب
برسخن غالب نیائی اے عجب

غالب: خلق و تقدیر و ہدایت ابتداست[1]
رحمۃ للعالمینی انتہاست

---

[1] تلمیح بہ آیۂ قرآن (۳ : [illegible])

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زندہ رود: من ندیدم چہرۂ معنی ہنوز — آتشے داری اگر ما را بسوز

غالب: اے چو من بینندۂ اسرار شعر — این سخن افزون تر است از تار شعر

شاعراں بزم سخن آرا ستند — ایں کلیماں بے ید بیضا ستند

آنچہ تو از من بخواہی کافری است — کافری کو ماورائے شاعری است

حلاج: ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو — آنکہ از خاکش بروید آرزو

یا ز نورِ مصطفیؐ او را بہاست — یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیؐ است

ایک دوسرا نمونہ خواجۂ اہلِ فراق (ابلیس) کے ساتھ گفتگو میں سے بھی دیکھیں:

گفتمش "بگذر ز آئین فراق — ابغض الاشیاء عندی الطلاق"

گفت "سازِ زندگی، سوزِ فراق — اے خوشا سرمستیٔ روزِ فراق

بر لبم از وصل می ناید سخن — وصل اگر خواہم نہ او ماند نہ من"

فلک زحل:۔ اس فلک میں میر جعفر بنگالی اور میر صادق میسوری نیز روحِ ہند کی درد انگیز 'خود کلامیاں' ملتی ہیں:

جعفر از بنگال و صادق از دکن — ننگِ آدم، ننگِ دیں، ننگِ وطن

ناقبول و ناامید و نامراد — ملتے از کارِ شاں اندر فساد

می ندانی خطۂ ہندوستان — آں عزیزِ خاطرِ صاحبدلاں؟

در گلش تخمِ غلامی را کہ کشت؟ — ایں ہمہ کردارِ آں ارواحِ زشت

ماورائے افلاک:۔ اس طویل حصّے میں فلسفیوں، شاعروں، عارفوں اور بادشاہوں کے متعدد کردار ہیں۔ بہشتِ بریں میں شاعر اور اس کے راہنما کو حوریں نظر آتی ہیں، مگر یہاں راہنما رخصت ہو جاتا ہے اور شاعر کو 'جمال لایزال' کی ندائیں آتی ہیں۔ زندہ رود کئی سوال پوچھتا ہے اور ندائے جمال سے ان کے جوابات سنتا ہے۔ مگر 'تقادیرِ عالم' کے بارے میں اس کے سوال کا کوئی براہِ راست جواب نہیں ملتا بلکہ غیب کے راز پوچھنے پر 'جمال'، 'تجلی جلال' سے بدل جاتا ہے اور شاعر کو یارائے سخن نہیں رہتا۔ یہاں ہم سلطان شہید (سلطان فتح علی ٹیپوؒ)، حوروں اور حضورؐ (در حضور ندائے جمال) والے حصوں سے چند اشعار نقل کرتے ہیں، مگر فارسی دان حضرات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے ضروری ہے کہ وہ جاوید نامے ایسی اعلیٰ کتاب کو تماماً پڑھیں۔

موسمِ گل؟ ماتم و ہم نائے و نوش
غنچہ در آغوش و نقشِ گل بدوش

لالہ را گفتم "یکے دیگر بسوز"
گفت "راز ما نمی دانی ہنوز"

از خس و خاشاک تعمیرِ وجود
غیر حسرت چیست پاداشِ نمود؟

در سرائے ہست و بود آئی؟ میا
از عدم سوئے وجود آئی؟ میا

زندگی را چیست رسم و دین و کیش؟
یک دمِ شیری بہ از صد سال میش

جنگِ مومن چیست؟ ہجرت سوئے دوست
ترکِ عالم، اختیارِ کوئے دوست

بادلِ پُرخوں، رسیدم بر درش
یک ہجومِ حور دیدم بر درش

بر لبِ شاں "زندہ رود" اے زندہ رود
زندہ رود، اے صاحبِ سوز و سرود

شور و غوغا از یسار و از یمیں
یک دو دم با ما نشیں، با ما نشیں

چیست بودن دانی اے مردِ نجیب؟
از جمالِ ذاتِ حق بردن نصیب

آفریدن؟ جستجوئے دلبرے
وانمودن خویش را بر دیگرے

زندہ ای؟ مشتاق شو، خلاق شو
ہمچو ما گیرندۂ آفاق شو

چیست ملت اے کہ گوئی لا الہ؟
با ہزاراں چشم بودن یک نگہ

مردہ ای؟ از یک نگاہی زندہ شو
بگذر از بے مرکزی پائندہ شو

زندہ رود: من کیم؟ تو کیستی؟ عالم کجاست
درمیانِ ما و تو دوری چراست؟

من چرا در بندِ تقدیرم بگوئے
تو نمیری من چرا میرم بگوئے

ندائے جمال: بودہ ای اندر جہانِ چار سو
ہر کہ گنجد اندرو، میرد درو

زندگی خواہی خودی را پیش کن
چار سو را غرق اندر خویش کن

باز بینی من کیم تو کیستی؟
در جہاں چوں مردی و چوں زیستی

بالِ جبریل (طبع اوّل ۱۹۳۵ء)

یہ کتاب اقبال کی اردو شاعری کا نمونۂ تکامل ہے۔ فارسی نظم اور غزل کا جو عروج "پیامِ مشرق" اور "زبورِ عجم" میں بالترتیب نظر آتا ہے، اردو شاعری کے لحاظ سے اُسے "بالِ جبریل" میں دیکھنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چاہیے۔ مکالماتی حسن و خوبی والے اشعار کی بھی اس کتاب میں کمی نہیں۔ اس کے علاوہ خود کلامی والے اشعار بھی موجود ہیں۔ قطعہ 'پروانہ اور جگنو' ملاحظہ ہو:

پروانہ: پروانے کی منزل سے بہت دور ہے جگنو — کیوں آتشِ بے سوز پہ مغرور ہے جگنو
جگنو: اللہ کا سو شکر، کہ پروانہ نہیں ہیں — دریوزہ گرِ آتشِ بیگانہ نہیں ہیں

(پروانے اور جگنو کے بارے میں یہ نقطۂ نظر اقبال کے ہاں کئی جگہ ملتا ہے۔ مثلاً 'پیامِ مشرق' کے حصہ لالۂ طور میں اس مضمون پر متعدد دو بیتیاں دیکھی جا سکتی ہیں)۔

مکالمۂ 'مرید و پیر' ایک فکر انگیز نظم ہے جس میں 'مرید ہندی' (اقبال) اردو میں سوال کرتا ہے اور جواب میں 'پیر رومی' (مولانا جلال الدین محمد) کی مثنوی کے اشعار نقل کرتا ہے۔ کوئی دو درجن سوالات کے ذریعے شاعر مختلف مسائل کے بارے میں افکار رومی کو پیش کرتا ہے۔ فارسی اشعار مثنوی کے سارے چھ دفاتر سے ماخوذ ہیں اور سوال و جواب کبھی ایک ایک بیت پر مبنی ہیں اور کبھی بیشتر پر۔ اس شاہ کار نظم کا انتخاب مشکل ہے مگر مقالے کے اختصار کی مشکل چند مکالموں کو نقل کرنا مجاز قرار دے گی۔ مگر اقبال کی رومی شناسی اور مکالمہ سازی پر توجہ رکھنا بہرحال ضروری ہے۔

مرید: آہ مکتب کا جوانِ گرم خوں — ساحرِ افرنگ کا صیدِ زبوں
پیر: مرغ پر نارُستہ چوں پرّاں شود — طعمۂ ہر گربۂ درّاں شود
مرید: زندہ ہے مشرق تری گفتار سے — اُمتیں مرتی ہیں کس آزار سے؟
پیر: ہر ہلاکِ اُمتِ پیشیں کہ بود — زانکہ بر جندل گماں بردند عُود
مرید: اب مسلماں میں نہیں وہ رنگ و بُو — سرد کیوں کر ہو گیا اس کا لہو؟
پیر: تا دلِ صاحبدلے نامد بدرد — ہیچ قومے را خدا رسوا نکرد
مرید: اے شریکِ مستیٔ خاصانِ بدر — مَیں نہیں سمجھا حدیثِ جبر و قدر
پیر: بالِ بازاں را سوئے سلطاں برد — بالِ زاغاں را بہ گورستاں برد
مرید: علم و حکمت کا ملے کیوں کر سُراغ؟ — کس طرح ہاتھ آئے سوز و درد و داغ؟
پیر: علم و حکمت زاید از نانِ حلال — عشق و رقت آید از نانِ حلال

'جبریل و ابلیس' کا مکالمہ بھی اقبال کی قدرتِ سخن کا اعجاز ہے۔ 'جاوید نامے' کی منقولہ مثالوں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرح یہاں بھی ایک ایک مصرعے میں سوال و جواب کو دیکھ سکتے ہیں، جیسے:

جبریل: ہمدمِ دیرینہ! کیسا ہے جہانِ رنگ و بو؟
ابلیس: سوز و ساز و درد و داغ و جستجوئے و آرزو

'اذان' میں ستارۂ سحر، چاند، مریخ، زہرہ اور دوسرے ستارے مصروفِ گفتگو ہیں۔ شاعر کا مدعا یہ ہے کہ شب زندہ دار اور سحر خیز مسلمانوں کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے:

واقف ہو اگر لذتِ بیداریِ شب سے — اونچی ہے ثریا سے بھی یہ خاکِ پُراسرار
آغوش میں اس کی وہ تجلّی ہے کہ جس میں — کھو جائیں گے افلاک کے سب ثابت و سیار

کتاب کے آخر میں 'شیر اور خچر' اور 'چیونٹی اور عقاب' کے ایک ایک بیت پر مبنی دلچسپ مکالمے ملتے ہیں:

شیر: ساکنانِ دشت و صحرا میں ہے، تو سب سے الگ — کون ہیں تیرے اب و جد؟ کس قبیلے سے ہے تو؟
خچر: میرے ماموں کو نہیں پہچانتے شاید حضور — وہ صبا رفتار، شاہی اصطبل کی آبرو
چیونٹی: میں پائمال و خوار و پریشان و دردمند — تیرا مقام کیوں ہے ستاروں سے بھی بلند؟
عقاب: تو رزق اپنا ڈھونڈتی ہے خاکِ راہ میں — میں نُہ سپہر کو نہیں لاتا نگاہ میں

ضربِ کلیم (طبع اول ۱۹۳۶ء)

اس کتاب کو اقبال نے 'اعلانِ جنگ دورِ حاضر کے خلاف' کا عنوان دیا ہے۔ مکالمے ان نظموں میں دیکھے جا سکتے ہیں: علم و عشق (مثلثِ مستزاد)، تقدیر (ابلیس و یزداں)، شعاعِ امید، نسیم و شبنم، صبحِ چمن، ایک بحری قزاق اور سکندر۔

'تقدیر' (مکالمہ ابلیس و یزداں) کا اصل خیال شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (م ۶۳۸ھ) کی 'الفتوحات المکیہ' (جلد ۳) سے ماخوذ ہے مگر ایک عام مطلب کو مکالمے کا دلپذیر اسلوب اقبال نے بخشا ہے:

ابلیس: اے خدائے کن فکاں، مجھ کو نہ تھا آدم سے بیر — آہ، وہ زندانیِ نزدیک و دور و دیر و زود
حرفِ 'استکبار' تیرے سامنے ممکن نہ تھا — ہاں مگر تیری مشیّت میں نہ تھا میرا سجود
یزداں: کب کھلا تجھ پر یہ راز، انکار سے پہلے کہ بعد؟
ابلیس: بعد، اے تیری تجلی سے کمالاتِ وجود!
یزداں: پستیِ فطرت نے سکھلائی ہے یہ حجت اسے — کہتا ہے 'تیری مشیّت میں نہ تھا میرا سجود'

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(فرشتوں کی طرف دیکھ کر) : دے رہا ہے اپنی آزادی کو مجبوری کا نام — ظالم اپنے شعلۂ سوزاں کو خود کہتا ہے دُود

'نسیم و شبنم' میں شاعر نے ایک بہت بڑی بات کو آسان مکالمے میں بیان کر دیا ہے۔ ماحصل یہ ہے کہ فکری بلند پروازی کے نتیجے میں عملی اور حقیقی زندگی سے دست کش نہ ہونا چاہیے:

نسیم : انجم کی فضا تک نہ ہوئی میری رسائی — کرتی رہی میں پیرہنِ لالہ و گل چاک
مجبور ہوئی جاتی ہوں میں ترکِ وطن پر — بے ذوق ہیں بلبل کی نواہائے طربناک
دونوں سے کیا ہے تجھے تقدیر نے محرم — خاکِ چمن اچھی کہ سراپردۂ خاک
شبنم : کھینچیں نہ اگر تجھ کو چمن کے خس و خاشاک — گلشن بھی ہے اک سِرِّ سراپردۂ افلاک

'صبحِ چمن' ایک ایسی ہی نظم ہے جس میں شاعر کا مشاہدہ، نکتہ آفرینی، نتیجہ گیری اور قوتِ مکالمہ اور حسن و خوبیٔ ادا وغیرہ نقطۂ کمال پر پہنچے ہوئے نظر آتے ہیں۔ دیکھیں سخت کوشی، لذتِ پرواز اور عملی زندگی سے لو لگائے رکھنے کا درس کس خوش اسلوبی سے دیا گیا ہے۔ نظم کے کردار تین ہیں:

پھول : شاید تو سمجھتی تھی وطن دور ہے میرا — اے قاصدِ افلاک! نہیں، دُور نہیں ہے
شبنم : ہوتا ہے مگر محنتِ پرواز سے روشن — یہ نکتہ کہ گردوں سے زمیں دُور نہیں ہے
صبح : مانند سحر صحنِ گلستاں میں قدم رکھ — آئے تہِ پا گوہرِ شبنم تو نہ ٹوٹے
ہو کوہ و بیاباں سے ہم آغوش و لیکن — ہاتھوں سے ترے دامنِ افلاک نہ چھوٹے

ایک 'بحری قزاق اور سکندر' میں اقبال نے جوع الارض رکھنے والے لشکر کشوں اور فاتحین کو قزاق اور راہزن قرار دیا ہے:

سکندر : صلہ تیرا تری زنجیر یا شمشیر ہے میری — کہ تیری رہزنی سے تنگ ہے دریا کی پہنائی
قزاق : سکندر! حیف تو اس کو جوانمردی سمجھتا ہے — گوارا اس طرح کرتے ہیں ہم چشموں کی رسوائی؟
ترا پیشہ ہے سفاکی، مرا پیشہ ہے سفاکی — کہ ہم قزاق ہیں دونوں، تو میدانی میں دریائی

ارمغانِ حجاز

اقبال کا یہ آخری مجموعۂ کلام ان کی وفات کے چند ماہ بعد ۱۹۳۸ء کے آخر میں شائع ہوا اور اس کے اُردو حصے میں تین چار مکالمات سے پُر نظمیں بے حد دلآویز ہیں۔ ایک دو بیتی کے تین کردار دیکھیں:

کہا اقبال نے شیخِ حرم سے — تہِ محرابِ مسجد سو گیا کون؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ندا مسجد کی دیواروں سے آئی فرنگی بتکدے میں کھو گیا کون؟

نظموں کے عنوانات "عالم برزخ"، "تصویر و مصور"، اور "ابلیس کی مجلس شوریٰ" ہیں۔ پہلی نظم کے کردار، مردہ، قبر، زمین اور صدائے غیب ہے۔ یہ نظم ابدیت اور القائے ذات کے بارے میں اقبال کے تصورات کی آئینہ دار ہے۔ اقبال کے نزدیک حیات اُخروی کی نعمتوں سے وہی افراد بہرہ مند ہوں گے، جو آزاد، خوددار اور خودشناسانہ جیئے ہوں۔ تصویر و مصور میں خبر و نظر (عقل و عشق) کے مسائل پر اظہار نظر کیا ہے۔ ضمناً یہ نکتہ بھی زیر بحث آیا ہے کہ وہی "تصویر" اپنے "مصور" کا دیدار کرسکتا ہے جو خود شناس ہو۔ (وہی القائے ذات اور دیدار ذات باری نیز تکامل خودی کے امور زیر نظر ہیں) تیسری نظم البتہ زیادہ توجہ کی محتاج ہے۔

ابلیس کی مجلس شوریٰ، ۱۹۳۶ء میں لکھی گئی۔ اس کے کردار چھ ہیں: ابلیس اور اس کے پانچ مشیر۔ جیسا کہ راقم نے چند سال قبل لکھا تھا (سہ ماہی، اقبال، لاہور، اکتوبر ۱۹۶۹ء) زکریا قزوینی کی عربی کتاب "عجائب المخلوقات" میں بھی ابلیس اور اس کے مشیروں کی، ساحل سمندر پر ابلیسی ہی مجلس کا انعقاد بہ زبان نثر موجود ملتا ہے، مگر اس میں اقبال کے سے عصری مسائل پر تبصرے، زور دار مکالمے اور راہنما پیغامات کہاں؟۔ یہ اقبال کی زندہ جاوید اور تازہ بتازہ نو بنو طویل نظموں میں سے ایک ہے۔ ہم یہاں مطالب کی ایک تلخیص اور چند مکالموں کو نقل کرکے اس مجمل بحث کو ختم کرتے ہیں۔

ابلیس اپنے مشیروں کو اپنے سیاہ کارناموں سے آگاہ کرتا ہے کہ ملوکیت کا استبداد، دین و دنیا کی تفریق، نظام سرمایہ داری اور رضا بہ تقدیر اسی کی سوغاتیں ہیں۔ پہلا مشیر ابلیس کے دعوؤں کی توثیق کرتے ہوئے بعض دیگر امور پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس کے نزدیک مسلمانوں کی ملوکیت دوستی، ان کی کلامی اور الہیاتی بحثیں، بے روح عبادات و مناسک اور بعض نام نہاد فرقوں کی جانب سے ترک جہاد کا اعلان، "تلبیس ابلیس" کے کرشمے ہیں۔ سلطانی جمہور کے بارے میں دوسرے مشیر کے ایک سوال کے جواب میں وہ کہتا ہے کہ یورپ کے طرز جمہوریت میں بھی ملوکانہ استبداد مضمر ہے۔ تیسرا اور چوتھا مشیر اشتراکی نظام کے خطرے پر تبادلہ خیالات کرتے ہیں۔ پانچواں مشیر اس خطرے پر ابلیس کی خصوصی توجہ مبذول کراتا ہے۔ ابلیس کہتا ہے کہ ملوکیت، جمہوریت اور اشتراکیت میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے ایک بھی نظامِ ابلیسی کے لیے خطرہ نہیں بن سکتا - اس کا حقیقی رقیب اسلام ہے - بشرطیکہ مدعیانِ ایمان اس پر عمل کرنے لگیں - اسلام میں دنیا اور آخرت اور دین و سیاست کی تفریق نہیں - اس دین میں شخصی اور قومی ملکیت کے حدود متعین ہیں - مال و دولت کا نیکی کی راہ میں خرچ کرنا، اس دین کے پیروؤں کا ایک فعلِ معروف ہے اور دیگر راہنما اصول بھی جامع اور ابدی نوعیت کے ہیں - خلاصہ یہ کہ اسلام ابلیسی نظام کے لیے "لاحول و لا قوۃ الا باللہ" کا مظہر ہے -

پہلا مشیر: یہ ہماری سعیِ پیہم کی کرامت ہے کہ آج — صوفی و ملا ملوکیت کے بندے ہیں تمام
طبعِ مشرق کے لیے موزوں یہی افیون تھی — ورنہ "قوالی" سے کچھ کمتر نہیں علمِ کلام،
ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا — کند ہو کر رہ گئی مومن کی تیغِ بے نیام

دوسرا مشیر: خیر ہے سلطانیِ جمہور کا غوغا کہ شر؟ — تو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر

پہلا مشیر: ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس — جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر
مجلسِ ملت ہو یا پرواز کا دربار ہو — ہے وہ سلطاں، غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر

تیسرا مشیر: روحِ سلطانی رہے باقی تو پھر کیا اضطراب — ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب؟
اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا طبیعت کا فساد — توڑ دی بندوں نے آقاؤں کے خیموں کی طناب

چوتھا مشیر: توڑ اس کا رومۃ الکبریٰ کے ایوانوں میں دیکھ — آلِ سیزر کو دکھایا ہم نے پھر سیزر کا خواب

پانچواں مشیر: گرچہ ہیں تیرے مرید افرنگ کے ساحر تمام — اب مجھے ان کی فراست پر نہیں ہے اعتبار

خطاب بہ ابلیس: وہ یہودی فتنہ گر، وہ روحِ مزدک کا بروز — ہر قبا ہونے کو ہے اس کے جنوں سے تار تار
فتنۂ فردا کی ہیبت کا یہ عالم ہے کہ آج — کانپتے ہیں کوہسار و مرغزار و جوئبار

ابلیس: پست فطرت نے کیا ہے جن گریبانوں کو چاک — مزدکی منطق کی سوزن سے نہیں ہوتے رفو
کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد — یہ پریشاں روزگار، آشفتہ مغز، آشفتہ ہو
ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے — جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ — کرتے ہیں اشکِ سحرگاہی سے جو ظالم وضو
جانتا ہے جس پہ روشن باطنِ ایام ہے — مزدکیت فتنۂ فردا نہیں، اسلام ہے
موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لیے — نے کوئی فغفور و خاقاں، نے فقیرِ رہ نشیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک وصاف — منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امین
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر وعمل کا انقلاب — پادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمین
خیر اسی میں ہے قیامت تک رہے مومن غلام — چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہانِ بے ثبات
ہے وہی شعر وتصوف اس کے حق میں خوب تر — جو چھپا دے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات
ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں — ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کائنات
مست رکھو ذکر وفکرِ صبحگاہی میں اسے — پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے

ابلیس اور اس کے مشیروں کے منصوبے اندازہ کیجیے، کس قدر خطرناک ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۵۴)

کے میزبان کی حیثیت سے اُسے نشر کرنے کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔

جس طرح اس رسالے کا نام "آسان قرأت" ہے، اسی طرح عملی طور پر بھی یہ بہت آسان اور سہل ہے۔ اس پر بہت سے علمائے کرام اور قرائے عظام کی تقریظیں ہیں، جن میں مولانا قاری عبد القادر آزاد، مولانا حافظ عبد الرشید، قاری اظہار احمد تھانوی، قاری نثار احمد عثمانی، مولانا مفتی محمد حسین نعیمی، قاری محمد علی رضوان، قاری محمد ظریف، مولانا محمد بخش مسلم، جناب عبد الحی ولیشی، جناب حافظ نذیر احمد کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ یہ وہ حضرات ہیں جو اس بہترین فن سے خود بھی آگاہ ہیں۔

ہم مدارس کے اساتذہ، قرائے کرام اور عام حضرات سے اس کے مطالعے کی سفارش کرتے ہیں۔ یہ رسالہ اپنی افادیت کے لحاظ سے اس قابل ہے کہ اسے سرکاری مدارس اور دیگر سرکاری اداروں میں جہاں قرآن مجید کی تعلیم کا التزام ہو، داخلِ نصاب کیا جائے۔

© rasailojaraid.com